ڈاکٹر روبینہ ترین

اُردو کی پہلی صاحبِ دیوان شاعرہ۔ ماہ لقا بائی چندا

اُردو شعر و ادب کی تاریخ میں دکن کو ادبی آثار شناسی کے سبب فوقیت حاصل رہی ہے۔ تاریخی لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ وہ سرزمین ہے جہاں اُردو ادب کے جنم یا بپتسمہ لینے کی مضبوط شہادتیں ملتی ہیں۔ چھٹی صدی ہجری سے ہی اس علاقے میں صوفیائے کرام کے وردِ زبان بن جانے والے فقروں سے جس بولی ٹھولی کا آغاز ہوتا ہے وہ بالآخر ساتویں صدی ہجری کے آخر تک ایک زبان کا تشخص اُبھارنے لگتے ہیں۔ اگر چہ ایسی کوئی باقاعدہ ادبی تخلیق اس عرصے میں نہیں ملتی لیکن یہی زبان آٹھویں صدی ہجری میں تخلیقی اظہار کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ دکن میں بہمنیہ سلطنت (۷۴۷ھ) کے آغاز کے ساتھ ہی نہ صرف اس علاقے کی تہذیب و معاشرت میں تبدیلی آئی بلکہ اس عہد کا ادب بھی زمینی مہک اور اشرافیہ کے جمالیاتی احساس کے امتزاج کا آئینہ دار دکھائی دیا۔

اس پر اب اتفاق ہونے لگا ہے کہ دکن اُردو شعر و ادب کا اوّلین مرکز رہا ہے۔ البتہ وہاں اُردو مثنوی اور غزل کے جو چند ابتدائی اور اہم شعرا تھے انہی کے تاریخی روایت میں محض انہی کے حوالے سے تخلیقی فضا کا پورا احساس نہیں کیا جا سکتا، دکن محض بہمنیہ دَور یا قطب شاہی و عادل شاہی حکمرانوں تک ہی شعر و ادب کا مرکز نہ تھا بلکہ آنے والے دَور میں بھی اس علاقے میں شعر و سخن کی محفلیں برپا رہیں۔ یہ علاقہ ولی جیسا کوئی اور بڑا شاعر تو پیدا نہ کر سکا البتہ اس علاقے کو یہ خصوصیت رہی کہ یہاں خواتین بھی شعر و سخن کی دنیا میں اپنی تخلیقات کے ذریعے شامل رہیں اور پھر اُردو کی پہلی شاعرہ تو نہیں لیکن پہلی صاحبِ دیوان شاعرہ ماہ لقا چندا بائی (۱۱۸۱ھ تا ۱۲۴۰ھ) کا تعلق اسی سرزمین سے ہے۔ سلاطین بہمنیہ شاہی و عادل شاہی کی طرح سلطنت آصفیہ کے دَور نے بھی اُردو کی ترقی میں بھرپور حصہ لیا۔ ان کے عہد میں نہ صرف بڑے بڑے شعرا پیدا ہوئے

Scanned by CamScanner

جنھوں نے نظم ونثر کی کتابیں تصنیف کیں بلکہ دکنی شعرا کے تذکرے لکھنے کی بھی ابتدا ہوئی اور اسی دور میں ہی دکنی شعرا اور ادیب حیدرآباد میں جمع ہو گئے۔ یہی وہ دور تھا جب یہاں کی شاعرات کا ذکر تذکروں میں ہونے لگا اگرچہ یہ تذکرہ بہت کم ہی ہوتا لیکن کہیں کہیں شاعرات کے نام آنے لگے۔ اُردو کی پہلی خاتون شاعرہ اس دور میں ماہ لقا چندا تھی ☆[1] جن کا دیوان ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۸ء میں مرتب ہوا۔ اس کا اصل نام چندا بائی خطاب مہ لقا اور تخلص چندا تھا۔

اردو کی پہلی صاحبِ دیوان شاعرہ ماہ لقا چندا بائی کا تعلق براہِ راست دکن سے نہ تھا☆[2]۔ اس کے والد نواب بسالت خان بہادر، مرزا سلطان نظر کے چھوٹے بیٹے تھے۔ مرزا سلطان نظر اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد دربار میں مختلف مناصب پہ فائز رہے، انھیں پہلے مغل شہزادے اعظم شاہ (۱۷۰۷ء) نے صلابت خاں کا خطاب دیا بعد میں مرزا سلطان نظر نے جب معظم شاہ (۱۱-۱۷۰۷ء) کی ملازمت اختیار کی تو اُس نے انہیں بسالت خان کا خطاب دیا۔ جہاندار شاہ (۱۳-۱۷۱۱ء) اور پھر فرخ سیر (۱۹-۱۷۱۳ء) کے زمانے تک بھی حکومت میں شامل رہے۔ اسی زمانے میں (۱۱۲۷ھ) داؤد خان، ناظم مملکت دکن نے

☆۱ بحوالہ i۔ محی الدین قادری زور، ڈاکٹر، ''داستان ادب حیدرآباد''، ادارہ ادبیات اُردو، حیدرآباد، ۱۹۵۱ء، ص ۹۸۔

ii۔ محی الدین قادری زور، ڈاکٹر، ''تذکرہ مخطوطات''، جلد سوم، مطبوعہ دہلی، ۱۹۸۴ء، ص ۱۲۰۔

iii۔ حکیم فصیح الدین رنج، ''بہارستانِ ناز'' (تذکرہ شاعرات)، مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء، ص ۱۲۷۔

اب تک اُردو ادب کی تاریخ میں ماہ لقا بائی چندا کو ہی اُردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ سمجھا جاتا ہے لیکن نصیر الدین ہاشمی کے ایک مضمون ''اُردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ لطف النساء امتیاز کا دیوان اور مثنوی گلشن شعرا'' میں لطف النساء بیگم امتیاز کو پہلی صاحب دیوان شاعرہ کہا گیا ہے۔ اس کے مطابق ''پہلی صاحب دیوان شاعرہ لطف النساء امتیاز قرار دی جانی چاہیے کیونکہ اس کا دیوان ۱۲۱۲ھ میں یعنی چندا کے دیوان سے ایک سال پہلے مرتب ہوا۔'' مگر نصیر الدین ہاشمی نے واضح طور پر اس کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا۔ حوالے کے لیے ملاحظہ فرمائیے:

''دکھنی قدیم اُردو کے چند تحقیقی مضامین''، مطبوعہ دہلی، ۱۹۶۳ء، ص ۱۷۶۔

☆۲ چندا کے جدامجد مرزا محمد یار قوم چغتہ برلاس کا تعلق بلخ سے تھا جو شاہ جہاں کے عہد میں ہندوستان آئے اور شاہی ملازمت اختیار کی اور ہندوستان میں ہی شادی کی جہاں ان کا بیٹا مرزا سلطان نظر (جو کہ ماہ لقا چندا کے دادا تھے) پیدا ہوا۔ غلام صمدانی خان گوہر لکھتے ہیں کہ ''میرزا سلطان نظر المخاطب بسالت خان نامداران روزگار و امرائے باوقار سے تھے۔ جو از روئے نسب چندا بی بی المخاطب ماہ لقا بائی کے جدِ اعلیٰ ہوتے ہیں۔'' (حیاتِ ماہ لقا، ص ۱۹)

Scanned by CamScanner

بغاوت کی تو اس کی سرکوبی کے لیے امیر الامراء حسین علی خاں کے ساتھ مرزا سلطان نظر دکن روانہ ہوئے جہاں داؤد خاں اور مرزا سلطان نظر دونوں مارے گئے۔ مرزا سلطان نظر کے دو بیٹے تھے ان میں سے ایک بیٹے نواب بسالت خان بہادر آصف جاہی بخشی صرف خاص کا نام بہادر خان تھا۔ ''مآثر الامراء'' میں لکھا ہے کہ

> ''اس کے (سلطان نظر کے) بڑے لڑکے کا نام میرزا حیدر تھا جو حسین علی خاں کی مدد سے اپنے باپ کے بعد بخشی مقرر ہوا۔ سادات کے زوال کے بعد عہدہ چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گیا۔ اس کا دوسرا لڑکا جسے باپ کا خطاب بسالت خان ملا تھا، آصف جاہ کے ہمراہ تھا۔ محرر اوراق (شاہنواز خان) نے اس کو دیکھا ہے۔ اس کے دو لڑکے تھے جو قلیل منصب جاگیر میں زندگی گزارتے تھے۔''(۱)

ماہ لقا چندا سلطان نظر کے دوسرے بیٹے کی اولاد تھی۔ چندا کے والد کی طرح اس کی والدہ کا تعلق بھی براہِ راست دکن سے نہ تھا اس کے نانا محمد حسین قصبہ بارہہ سے محمد شاہ (۴۸-۱۷۱۹ء) کے عہد میں دہلی آ گئے تھے۔ محمد حسین فطرتاً عیش پسند اور فضول خرچ تھے۔ احمد آباد گجرات کے ناظم نے انہیں کروڑ گیری پر مامور کیا تو اپنے مزاج کے مطابق اُنھوں نے خوب خرچ کیا، یہاں تک کہ سرکاری خزانہ کو بھی استعمال میں لے آئے جب ناظم گجرات کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے جانچ پڑتال شروع کر دی چنانچہ محمد حسین اپنی بیوی بچوں کو چھوڑ کر واپس اپنے وطن (قصبہ بارہہ) فرار ہو گئے، ناظم گجرات نے ان کے بیوی بچوں کو نظر بند کر دیا۔ حالات سے تنگ آ کر اُن کی بیوی موقع ملتے ہی بچوں سمیت جنگل کی جانب فرار ہوئی اور پھر وہاں سے قصبہ دیولیہ پہنچی جہاں بھگتیوں کے ساتھ کچھ عرصہ قیام کیا۔ چندا بی بی ☆ خوب صورت تھی اور حسین بیٹیوں کا ساتھ تھا۔ ایسے میں زندگی بسر کرنے کے لیے انہوں نے بھگتیوں سے گانے بجانے کا کام سیکھ لیا، چنانچہ جلد ہی پورے علاقے میں ان کے حُسن اور گانے بجانے کی شہرت ہوئی تو قصبہ دیولیہ کے حاکم راجہ

☆ ماہ لقا چندا بائی کی نانی۔

Scanned by CamScanner

سالم سنگھ ولد پرتاب سنگھ نے انہیں مکان اور دیگر ضروریاتِ زندگی فراہم کیں اور ساتھ ہی چندابی بی کی بیٹی میدہ بی بی سے شادی کی جس سے اس کی بیٹی مہتاب بی بی پیدا ہوئی لیکن راجہ سالم سنگھ کی رانی کے ہاتھوں تنگ آ کر چندابی بی کی وفات کے بعد میدہ بی بی اپنی دوسری بہنوں اور بھائیوں کے ساتھ فرار ہو کر ۱۱۶۱ھ میں صوبہ مالوہ کے راستے دریائے نربدا عبور کر کے دکن کی جانب روانہ ہوئیں جہاں میدہ بی بی کے علاوہ دوسری بہنوں نے گانے بجانے کو ذریعہ معاش بنایا جب کہ میدہ بی بی نے بسالت خان سے نکاح کیا اور ان کے ہاں ایک بیٹی کی پیدائش ہوئی جو کہ ماہ لقا چندا بائی کے نام سے مشہور ہوئی۔ غلام صمدانی خاں گوہر 'حیات ماہ لقا' میں لکھتے ہیں کہ

''۲۰ ذی قعد ۱۱۸۱ھ روز دوشنبہ کو جب آفتاب عالم تاب دو نیزے برابر آیا ساعت قمر میں ایک ماہ پیکر حور منظر لڑکی تولد ہوئی مورخ کا بیان ہے کہ تولد کے وقت اتنی روشنی ہوئی کہ حجرہ منور ہو گیا۔'' (۲)

چندا کی تاریخ پیدائش کے متعلق بھی مختلف آرا پائی جاتی ہیں۔ نصیر الدین ہاشمی نے اس کا سنہ پیدائش ۱۱۷۸ھ (۳) بتایا ہے مگر شہادت اور استناد مفقود ہیں 'تجلیات ماہ لقا' جوہر بیدری کا اصل ماخذ ہے اس میں سنہ پیدائش ۱۱۸۱ھ بتایا گیا ہے جب کہ غلام صمدانی خاں گوہر نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ ماہ لقا چندا کی پیدائش کی بہت خوشیاں منائی گئیں۔ اس کی بڑی بہن مہتاب بی بی ☆ کے ہاں اولاد نہ تھی اس لیے چندا کو پرورش کے لیے اس کے سپرد کیا گیا۔ غلام صمدانی خان گوہر لکھتے ہیں کہ

''چونکہ صاحب جی صاحبہ (مہتاب کنور بائی) محل احتشام

☆ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ نصیر الدین ہاشمی، ڈاکٹر محی الدین قادری زور اور اختر حسین اختر نے مہتاب بی بی کو چندا کی خالہ قرار دیا ہے جو کہ درست نہیں۔ خاندانی حالات و واقعات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ دونوں بہنیں تھیں۔ جوہر بیدری نے بھی ''تجلیات ماہ لقا'' میں جہاں کہیں مہتاب بی بی کا ذکر کیا ہے اس کو چندا کی ''خواہر کلاں'' ہی لکھا ہے۔ حوالے کے لیے ملاحظہ فرمائیے:

i۔ نصیر الدین ہاشمی، ''دکن میں اُردو''، ص ۴۱۵۔
ii۔ محی الدین قادری زور، ''داستان ادب حیدر آباد''، ص ۷۸۔
iii۔ اختر حسین اختر، مضمون بعنوان ''ماہ لقا بائی چندا کی شاعری''، ص ۹۸۔

Scanned by CamScanner

ہے) سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ عطائے نوبت کی تاریخ ایک صاحب نے حسب ذیل لکھی ہے۔ قطعہ

نوید آمد بعالم مہ لقا را　　نوازش کرد از نوبت شہنشاہ
ترانہ ساز سالش گفت ناہید　　''بلند آوازہ نوبت باد دلخواہ''
(۱۲۱۷ ہجری)

ماہ لقا طبعاً خوش مزاج، شوخ و شریر، لطیفہ گو، حاضر جواب تھی جس کی وجہ سے وہ ہر لمحہ نواب کو خوش رکھتی تھی۔ چندا کی موجودگی میں غم یا فکر کی کیفیت نواب پر طاری نہ ہوتی تھی اور پھر علم موسیقی کی وہ ماہر تھی غرض وہ تمام لوازمات جو خوش وقتی کے لیے ضروری ہو سکتے ہیں وہ تمام ماہ لقا میں موجود تھے۔ ماہ لقا بائی کی گفتگو، طور طریق اور فن رقص کو دیکھ کر سکندر جاہ فرماتے تھے کہ

''مانند ماہ لقا بائی دیگرے بہ ایں کمالات پیدا شدن مشکل است'' (۵)

یہ صرف بادشاہ وقت کی ہی رائے نہ تھی بلکہ اس وقت کے امراء و روٴسا کی کوئی محفل ایسی نہ تھی جو چندا کے بغیر مکمل سمجھی جاتی۔ جن امراء کی صحبت میں چندا رہی ان میں غلام سیّد خان نواب ارسطو جاہ، ابوالقاسم میر عالم اور راجہ چندو لعل شاداں جیسے بڑے نام شامل ہیں۔

میر عالم (۱۱۶۶ھ تا ۱۲۲۳ھ) جو فارسی پر مکمل عبور رکھتے تھے، وہ چندا کی خوش مزاجی کے علاوہ اس کی خوبصورتی کے بھی مداح تھے۔ چنانچہ انہوں نے ''ماہ لقا'' پر ایک طویل مثنوی ''سراپا'' لکھی۔ ان کی اس فارسی مثنوی کے چند اشعار یہ ہیں:

اے ماہ سپہر آشنائی　　سر تا پائے تو دل رُبائی
اے مُردم دیدۂ محبت　　سر تا قدمت طلسمِ الفت
اے ماہ لقائے ماہ پیکر　　اے ماہ جبیں ماہ منظر
(۶)

چندا، راجہ راوٴ سبھا☆ کی ملازمت میں بھی رہیں انہی کی عنایت سے ہی چندا کا دیوان

☆ راجہ راوٴ سبھا کا تعلق دکن کی متمول ترین ہستیوں میں ہوتا ہے۔

Scanned by CamScanner

جنگ رکن الدولہ بہادر کے بطن سے کوئی اولاد نرینہ موجود نہ
تھی اس لیے راج کنور بائی نے چندا بی بی کو صاحب جی صاحبہ
کے آغوش فرزندی میں دے دی اور خود عبادت و خدا طلبی میں
مشغول ہوئی۔ اگر چہ میدا بی بی (راج کنور بائی) کا نام بحسب
سرنوشت کسبیوں کی فہرست میں شامل ہو گیا تھا لیکن والا گہری
اور نجابت فطری کے باعث ہمیشہ نجیب پروری اور قدر دانی
کرتی رہتی تھی۔'' (۴)

میدہ بی بی نے خود کو دنیاوی معاملات سے کنارہ کش کر لیا۔ ۱۲۰۷ھ/۱۷۹۲ء میں اس کا انتقال ہوا تو اسے کوہ مولا علی میں سپرد خاک کیا گیا جہاں چندا نے مقبرہ تعمیر کروایا (جو آج بھی موجود ہے) ہر سال عرس کا اہتمام کیا جاتا اس موقع پر ماہ لقا چندا مشاعرے بھی کرواتی۔

مہتاب بی بی نے ماہ لقا چندا کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام کیا۔ فارسی اور عربی زبان کے علاوہ اس عہد کے مروّجہ علوم کے ساتھ ساتھ موسیقی اور گھڑ سواری کی تربیت بھی لی۔ پندرہ برس کی عمر میں ماہ لقا کو نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی (۱۱۴۶ھ-۱۲۱۸ھ) نے اپنی سرپرستی میں لے لیا جو چندا کے حُسن اور سیرت سے بہت متاثر تھے۔ وہ چندا کو اتنا چاہتے تھے کہ ہر پل اپنے ساتھ رکھتے یہاں تک کہ سفر اور مہمات میں بھی وہ ان کے ساتھ شریک ہوتی ☆[1]۔ نواب آصف جاہ ثانی چندا کی خوش مزاجی، موسیقی میں مہارت اور انفرادیت کی وجہ سے اس کے ساتھ محبت سے پیش آتے تھے چنانچہ مہم پانگل ☆[2] (۱۲۱۷ھ) سے واپسی پر ایک شاندار جشن کا اہتمام کیا گیا اور تمام رؤساء و امراء کو خطابات سے نوازا گیا اس موقع پر چندا کو بھی ''ماہ لقا بائی چندا'' کا خطاب عطا ہوا۔

''تمام امرا و منصب دار خطاب و منصب عالم و نقارہ سے
سرفراز و ممتاز کیے گئے اور بمناسبت نام کے چندا بی بی کو ماہ لقا
بائی کا خطاب اور نوبت و گھڑیال (جو لازمۂ منصب داری

☆۱ تاریخ کی تمام کتب سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ چندا مہم کولاس (۱۱۹۴ھ) معرکۂ نرمل (۱۱۹۷ھ) اور مہم پانگل (۱۲۱۷ھ) میں نواب کے ساتھ رہی۔

☆۲ پانگل حیدر آباد کے جنوب میں تقریباً ۹۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

Scanned by CamScanner

ترتیب قرار دیا ہے۔

چندا کے آخری قدر دان راجہ چندو لعل تھے جو اس کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ اُردو کے بہت بڑے شاعر تھے اور شاداں تخلص کرتے تھے۔ چندو لعل کو اس مقام تک پہنچانے میں چندا کی کاوش شامل تھی۔ اس ماحول کے اثرات کی وجہ سے چندا کو علم و فضل سے خاص دلچسپی تھی۔ اس کے کتب خانہ میں مختلف علوم کی کتابیں موجود تھیں۔ نظم و نثر کی جس نئی کتاب کا ذکر سنتی فوراً اس کی نقل اپنے کتب خانہ کے لیے تیار کروا لیتی تھی۔ اس کام کے لیے وہ بہت سے ملازم رکھتی تھی۔ اس بارے میں ڈاکٹر محی الدین قادری، زور لکھتے ہیں:

> ''چندا کے دولت خانے پر جوہر بیدری نے دیکھا کہ وہ اکثر تاریخی کتابوں کے مطالعے میں وقت صرف کرتی تھی اور خاص کر روضۃ الاولیا حبیب السیر اس کو زیادہ پسند تھے۔''(۸)

وقت کے ساتھ ساتھ چندا کے شوق میں اضافہ ہوتا گیا۔ علم سے رغبت اور دلچسپی کے نتیجے میں ہی اس نے جوہر بیدری سے تاریخ دکن لکھنے کی فرمائش کی اور کہا کہ

> ''کیوں نہ آپ بھی میرے نام پہ ایک باتصویر تاریخی کتاب قلم بند کریں جس میں خاص طور پر آصفی خاندان اور ان کے امراء و ارباب کمال کے حالات درج ہوں۔''(۹)

اس کتاب کی تکمیل ۱۲۳۳ھ میں ہوئی۔ چندا کے نام کی مناسبت سے اس کا نام ''ماہ نامہ''☆ رکھا گیا۔ اس کتاب میں حمد و نعت کے بعد چندا کے حالات بھی لکھے گئے ہیں۔ یہ چودہ ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ جوہر بیدری نے کتاب نہ صرف اس کتب خانہ میں بیٹھ کر لکھی بلکہ اس کتب خانہ میں موجود کتب سے استفادہ بھی کیا۔ اس کتاب کی تیاری میں غلام حسین جوہر بیدری نے جن کتابوں سے مدد لی ان میں روضۃ الاولیہ، روضۃ الاحباب، نورس نامہ، تاریخ فرشتہ، اقبال نامۂ عالمگیر، شاہ نامہ، حبیب السیر، شاہجہاں نامہ وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تمام کتابیں چندا کے کتب خانے میں موجود ہیں۔

☆ اس کتاب کا ایک نسخہ ادارہ ادبیات اُردو حیدرآباد دکن میں محفوظ ہے۔ جس میں صرف آٹھ ابواب ہیں۔

Scanned by CamScanner

مرتب ہوا تھا۔ شفقت رضوی لکھتے ہیں کہ

''چندا کا دیوان ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۸ء مرتب ہوا (نصیر الدین ہاشمی نے ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۶۱ء لکھا ہے۔ عیسوی سنہ درست نہیں ہے) دیباچے میں صراحت کی گئی ہے کہ عہد نظام الملک آصف جاہ نظام الدولہ میر نظام علی خان میں کہ سنہ ثالث عشرہ ماتین بعد الف تھا، مدار المہام، غلام سید خاں، سہراب جنگ، معین الدولہ، مشیر الملک، اعظم الامراء، نواب ارسطو جاہ کا زمانہ تھا کہ ماہِ منیرِ فلک انبساط، برجیسِ منور، برجِ نشاط، نازنینِ چار بالشِ رعنائی المخاطب ماہ لقا بائی، مہاراج معالی المراتب، علومنزلت و مرتبت، ذی شوکت و حشمت، والا تبار عالی مقدار راجہ راؤ رنبھا بہادر کے سررشتۂ ملازمت میں تھی کہ راجہ نے حکم دیا کہ اس کے دیوان کو سید نصیر الدین خاں المتخلص قدرت مرتب کریں۔ چنانچہ حسب الحکم قدرت نے دیوان ترتیب دیا اور چندا کی فرمائش پر نو ورق کا دیباچہ تحریر کیا۔ یہ دیوان دورانِ رقص چندا نے ۱۸ اکتوبر ۱۷۹۹ء کو سر جان مالکم کی نذر کیا تھا، جو اَب انڈیا آفس لائبریری میں زیر نشان (۲۱۸) محفوظ ہے۔ اس کے ۱۳۴وراق ہیں سائز ۹½ × ۵½ ہے۔ ''ھو اللطف اعظمی'' ترتیب دیوان کا مادۂ تاریخ ہے۔ اس میں ۱۲۵ غزلیں ہیں۔'' (۷)

شفقت رضوی نے جو دیوان کا مادۂ تاریخ لکھا ہے وہ درست نہیں کیوں کہ اس کے مطابق سنِ تصنیف ۱۱۸۲ھ بنتا ہے اور ۱۱۸۱ھ چندا کا سنِ ولادت ہے۔ ممکن ہے اس میں کوئی حرف رہ گیا ہو اور ویسے بھی عربی قاعدے کے مطابق 'ھو اللطف الاعظمی'، ہونا چاہیے۔ اگر ہم اسے صحیح مان لیں تو اس کے مطابق ۱۲۱۳ھ بنتا ہے اور چندا کے محققین نے بھی اسی کو دیوان کا سنِ

چنداؔ کوئی معمولی عورت نہ تھی۔ اس کو قدرت نے ظاہری خوب صورتی کے ساتھ ساتھ خوش آوازی سے بھی نوازا تھا۔ اس قدرتی صلاحیت کے علاوہ موسیقی کا شوق بھی رکھتی تھی۔ مہتاب بی بی نے کم عمری سے ہی اس کو موسیقی کی تعلیم دلوائی تھی۔

چنداؔ شعر و شاعری کا اچھا ذوق رکھتی تھی۔ وہ اپنی تخلیقی فطرت اور جمالیاتی ذوق کی مناسبت سے شعر کہا کرتی تھی، اسے جو ماحول میسر تھا اس میں رات دن علم و ادب کے چرچے اور شعر و سخن کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ ایسے میں اس کا شاعری سے لگاؤ فطری امر تھا۔ شعر و شاعری میں اصلاح دینے کے حوالے سے کچھ محققین نے اسے اُس عہد کے شاعر محمد خان ایماںؔ کا شاگرد بتایا اور کچھ نے نواب میر عالم کا۔ قدرت اللہ قاسم نے شاید پہلی مرتبہ چنداؔ کو ایماںؔ کا شاگرد کہا، وہ لکھتے ہیں:

''دیوانے حروف مشتمل بیشتر از انواعِ سخن دارد عروسانِ فکر خود از نظرِ (بیشتر) محمد خاں ایماںؔ می گزارد'' (۱۰)

بعد کے بہت سے تذکرہ نویسوں نے اسی حوالے سے ماہ لقا چنداؔ کو ایماںؔ کا شاگرد بتایا ☆ جب کہ غلام صدانی خاں گوہرؔ نے چنداؔ کا جو دیوان مرتب کیا ہے اس کے سرورق کی اس عبارت سے کہ ماہ لقا بائی چنداؔ از نواب میر عالم مدار الہام، ظاہر ہوتا ہے کہ وہ میر عالم کی شاگرد تھی خود میر عالم نے بھی اس بات کا اظہار کیا ہے کہ چنداؔ اُن کی شاگرد رہی۔

بہر طور اسے اپنی شاعری اور شخصیت کے حوالے سے بہت شہرت نصیب ہوئی۔ چنداؔ نے اپنا دیوان خود مرتب کیا۔ جس میں 125 غزلیں ہیں۔ اس کے دیوان کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ (حیدر آباد دکن) میں ہے۔ دوسرا نسخہ مولوی عبدالحق کی لائبریری میں ہے جب کہ غلام صدانی خاں گوہرؔ نے اس کا دیوان اور حالات زندگی 'حیات ماہ لقا' کے عنوان سے ۱۳۲۴ھ میں مطبع عام دار الشفاء حیدر آباد دکن سے شائع کیا تھا۔

☆ ملاحظہ فرمایئے:- (i) جفا عبدالحئی۔ تذکرہ شمیم سخن، ص ۸
(ii) اختر حسین اختر۔ مضمون ''ماہ لقا بائی چندا کی شاعری' مشمولہ مجلّہ عثمانیہ، ص ۱۶۷
(iii) نصیر الدین ہاشمی۔ 'دکن میں اردو' ص ۴۱۵
(iv) محی الدین قادری زور۔ 'داستان ادب حیدر آباد' ص ۹۹

Scanned by CamScanner

۱۹۹۰ء میں مجلس ترقی ادب لاہور سے 'دیوان مہ لقا بائی چنداؔ' شائع ہوا جس کا مقدمہ شفقت رضوی نے لکھا اور اس میں شیر محمد خاں ایمانؔ کی مسدس در تعریف ماہ لقا بائی، مثنوی 'در وصف سراپائے ماہ لقا بائی' از میر عالم بہادر کے علاوہ مثنوی 'در وصف سراپا' از غلام حسین خاں جوہرؔ بیدری بھی شامل ہیں۔

چنداؔ جن اساتذہ سے اصلاحِ سخن لیتی رہی یا جن اصحابِ سخن کی محفلوں میں شریک رہی ان کے یہاں بھی اُس کا ذکر ملتا ہے تو وہ اس کے حسن و جمال کا اعتراف اور اس کے عشق میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں یا کم از کم اس کا دعویٰ کرتے ہیں۔ انھوں نے کہیں بھی اس کی تخلیقی صلاحیتوں کا اعتراف نہ کیا۔ 'مسدس در تعریف ماہ لقا بائی' میں شیر محمد خاں ایمانؔ لکھتے ہیں کہ:

نوش دہن ہے اس کا بہ از چشمۂ حیات
ہر ایک بات کیوں نہ ہو اس کی تر از نبات (ص۵۹)

ایمان چندا کے لیے جس قسم کے جذبات رکھتے ہیں، مسدس میں اس کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

میں جیسے اُس کے حسن کا دیوانہ ہو گیا
ویرانہ دل کا رشک پری خانہ ہو گیا
از بس شرابِ شوق سے مستانہ ہو گیا
عالم کے بیچ قصہ و افسانہ ہو گیا
چرچا جو میرے عشق کا جنگل میں چل پڑا
زانو پہ ہاتھ مار کے مجنوں اچھل پڑا (ص۶۱)

ایک اور مقام پر دیکھئے

انداز وہی سمجھے مرے دل کی آہ کا
زخمی جو کوئی ہوا ہو کسو کی نگاہ کا (ص۶۲)
تد اُس بہشت رو سے یہ خلط بہم کیا
جد برسوں ہم نے سورۂ یوسف کو دم کیا (ص۶۲)

Scanned by CamScanner

ایمان آدمی کو کچھ اک درد خوب ہے
یعنی سرشک سرخ و رخِ زرد خوب ہے
لب پر ہر ایک صبح ، دمِ سرد خوب ہے
پیدا کرے جو سوز ووہی مرد خوب ہے
ہووے نہ ملکِ عشق سے کم رسمِ داغِ دل
روشن رہے ہمیشہ الٰہی! چراغِ دل (ص۶۲)

شیر محمد خاں ایمان کی طرح میر عالم نے بھی چندا کے لیے جو فارسی مثنوی لکھی اس میں چندا کے حسن کی توصیف اوراس سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے

دل نقش نگین خاتمی شد
انگشت نمائی عالمی شد (ص۷۰)
ای روی تو رشک ماہ و خورشید
آغوش تو صبح زای امید
ناف تو چو چشمہ حیا پاک
گرداب نگاہ چشمِ بے باک (ص۷۱)
آں ناز فروش گرم جوشی
تا کجا رسم وفا فروشی
در عین وفا تو بے وفائی
در وقت جفا تو دل ربائی (ص۷۴)
آں دوستی تو بہ سخن من
راہ کوی تو رہزنِ من
اول تو راہ وفا کشادی
در صد دلم قدم نہادی
عمر بکمین من نشستی
دل با دگر چو من نہ بستی (ص۷۵)

من بسم و جانِ من تو باشی
ہم روح و روانِ من تو باشی
بیماری تو شفائی جانہا است
غم خواری تو دوائی جانہا است (ص۸۰)
راز کہ بگوشِ دل شنیدی
رازی کہ عیاں بچشم دیدی
پنہاں پنہاں بگوش آں ماہ
القصہ بگو و قصہ کوتاہ (ص۸۱)

غلام حسین خاں جوہر بیدری نے بھی چندا کی شان میں ''مثنوی در وصف سراپا'' لکھی لیکن اس کا انداز ایمان یا میر عالم کی طرح نہیں بلکہ اس تعریف کے بدلے میں انعام کی توقع زیادہ ہے۔ مثنوی کے آخری حصے کے اشعار جوہر کی اس خواہش کی جانب اشارہ کرتے ہیں

محمود امید احمرش داد
لک کردہ نقرہ اش فرستاد
من ہم پئی نام و یادگاری
از بہر بقائے فیض جاری
در سلکِ سخن گہر بسفتم
از دل بسی آفریں شنفتم
شاہ نامہ بنام شاہ محمود
مہ نامہ بنام ماہ مسعود (ص۸۹)

اب رہی یہ بات کہ خود چندا نے نواب میر عالم کو ہی اپنا استاد کیوں تسلیم کیا اور ایمان جیسے شخص کے اس دعوے کی تصدیق کیوں نہ کی کہ چندا نے اصلاح سخن کے لیے باقاعدہ اس سے استفادہ کیا؟ اس سوال کا جواب وہ نوابی کلچر اور تہذیبی تناظر فراہم کرتا ہے، چندا کی پیشہ ورانہ اور طبقاتی مجبوری تھی کہ وہ شاگردی کے لیے کسی طاقتور سے اپنی نسبت کے اعلان میں فخر محسوس کرے۔ چندا محض شاعرہ نہ تھی اس کا فن طاقت وروں سے منسوب ہونے کے لیے مجبور بھی تھا۔

Scanned by CamScanner

اس لیے ممکن ہے کہ محمد خان ایمان کے مقابلے نواب میر عالم کی شاگرد کہلوانے میں اسے بالائی طبقے میں پذیرائی کے امکانات زیادہ نظر آتے ہوں اور ظاہر ہے کہ ایمان اور نواب میر عالم میں اس اعتبار سے بہت تفاوت تھا مگر یہ بات بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ جو فارسی مثنوی نواب میر عالم کی چندا کی توصیف میں دیوان کا حصہ ہے، وہ شعری محاسن اور تجربے کے اخلاص اور سچائی کے لحاظ سے ایمان کے توصیفی و تقریظی اشعار سے بہتر ہے۔

ماہ لقا چندا کے دیوان کی ترتیب حسب دستورِ زمانہ ہے۔ اس میں ردیف الف سے ی تک کی غزلیں ہیں اُس نے صرف غزلیں ہی لکھیں۔ ۱۲۵ غزلوں پہ مشتمل اس دیوان میں ہر غزل پانچ اشعار کی ہے کہ ان میں سات غزلوں کے سوا ہر غزل کے مقطع میں حضرت علیؓ کی مدح کی گئی۔ ہر غزل کے پانچ اشعار اور پھر پانچواں شعر حضرت علیؓ کی نسبت سے ہونا، حضرت علیؓ سے چندا کی محبت و عقیدت بھی ہے اور شیعیت سے لگاؤ بھی۔ چند مقطعے ملاحظہ فرمائیے:

چندا کو تم سے چشم یہ ہے یا علی کہ ہو
خاکِ نجف کو سرمۂ ابصار دیکھنا (ص۹۶)

نہ چندا کو طمع جنت کی نے خوفِ جہنم ہے
رہے ہے دو جہاں میں حیدرِ کرار سے مطلب (ص۹۸)

چندا جو دیکھے یا علی کعبے سے تا نجف
راہِ خدا میں اُس سے نہیں کچھ صواب خوب (ص۱۰۰)

گنجِ کرم سے بخشیے مولا کچھ اس قدر
چندا کو ہو نہ پھر کسی زردار کی تلاش (ص۱۲۱)

یوں حضرت علیؓ سے محبت و عقیدت کی جھلک اُس کی سات کے سوا ہر غزل کے مقطع میں دکھائی دیتی ہے۔ ارباب نشاط کی زندگی میں عقیدے کا ادعا نفسیاتی اعتبار سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ چندا بھی اپنے وجود اور فن سے غیر مسلموں کو بھی خوشہ چینی کا موقعہ دیتی ہو گی مگر مذہب ایک ثقافتی مظہر کے طور پر اس کے تخلیقی وجود پر بڑا گہرا رنگ لیے ہوئے ہے کہ تمام غزلوں میں پانچ اشعار کا ہی اہتمام کرنا پنجتن سے اپنے لگاؤ کا عہد ہے اور پھر مندرجہ ذیل سات مقطعوں کے سوا ہر ہر غزل کے مقطع میں حضرت علیؓ کا ذکر کرنا ایک طرف تو نجات طلبی کے لیے داخلی دلاسہ ہے اور

Scanned by CamScanner

دوسری طرف اس کے اضطراب اور انتشار وجود میں مرکزیت کا ابھرا ہوا [illegible]
بھجنوں میں شری کرشن کو معبود اور محبوب بنانے کی والہانہ طلب ۔

شعبدہ بازی سے اپنے در گزر اے مست ناز
وصل کے وندے میں حیلہ خوش نہیں تدبیر کا (ص ۹۱)

ثابت قدم ہے جو کوئی چندا کے عشق میں
صف میں وہ عشق بازوں کے سالار ہی رہا (ص ۹۵)

چندا کو دیکھنے کی جو خواہش کرے کوئی
رکھتا ہو وصف اپنے میں وہ عز و جاہ کا (ص ۹۵)

مدعا چندا کا ہے یہ اب ارسطو جاہ سے
فیل و زر بخشش تو کی جاگیر کا بھی ہو شمار (ص ۱۱۸)

سدا پلتے ہیں چندا سے ہزاروں جس کے سائے میں
نظام الدولہ و شاہِ دکن ہے رستمِ دوراں (ص ۱۲۹)

دستِ خدا سے مانگ لے چندا بصدقِ دل
تو جان لے قبول مناجات ہوگئی (ص ۱۵۱)

دیا جو شرط تھی بخشش کی تس پر بھی ہر اک دم میں
یہ رنگِ مہر ہے چندا پہ جس کی جلوہ فرمائی (ص ۱۵۳)

اس کے دیوان کی پہلی غزل حمدیہ ونعتیہ ہے کہ جس میں وہ کہتی ہے کہ

کہاں طاقت ہے راہِ حمد میں جو ہو زباں گویا
کہ یاں جز عجز و خاموشی نہیں ہے یک جہاں گویا
نہ ہو نعتِ محمد میں کسی سے محفل آرائی
بجا رکھ ہرزہ گوئی سے زباں کو شمع ساں گویا (ص ۹۳)

اسی طرح کے چند اور اشعار بھی ہیں جن میں مذہب سے لگاؤ بھی ہے اور تصوف و معرفت کے مضامین بھی

Scanned by CamScanner

غور کیجیے تو ہیں پُرنور جمادات و نباتات
نہ ترے جلوے کا ہے ذات بشر میں غوطہ (ص ۱۴۱)

ادا شرط عبادت ہو سکے ہے کب بھلا اس کی
خودی کو اپنی جب بھولے خدا کی یاد کو پہنچے (ص ۱۴۲)

یہ غالباً اُس زمانے کا روایتی انداز تھا جسے چندا نے اپنایا۔ نہ صرف اخلاق و تصوف سے متعلق چند اشعار لکھے بلکہ اپنے عہد کی اُن شخصیات کے بارے میں بھی اظہارِ عقیدت کیا ہے کہ جن کی بدولت اُسے عیش و آرام اور آسودگی میسر تھی۔ خاص طور پر نظام الملک آصف جاہ ثانی اور نواب ارسطو جاہ جو نہ صرف اُس کے چاہنے والے تھے بلکہ زندگی کی تمام تر سہولیات بہم پہنچاتے رہے۔ ارسطو جاہ کی تعریف میں اُس نے دو غزلیں لکھیں۔ وہ لکھتی ہے کہ

ارسطو جاہ فرخ نژاد اہل عالم ہے
کہ جس کے فضل و بخشش کا جہاں میں ہے علم برپا (ص ۹۷)

آصف جاہ کی شان میں تو اس سے بھی بڑھ کر عقیدت کا اظہار ہے اور کئی مواقع پر

مہیا دور میں جو عیش ہے تیرے سدا شاہاں
نہ جم سے بھی ہوا تھا اس قدر نو روز کا ساماں

سدا پلتے ہیں چندا سے ہزاروں جس کے سائے ہیں
نظام الدولہ شاہِ دکن ہے رستمِ دوراں (ص ۱۳۸)

ایک اور موقع پر لکھا کہ

خضر کی عمر ہو اُس کی، تصدق سے ایمہ کے
نظام الدولہ آصف جاہ جو سب کا مسیحا ہے (ص ۱۵۴)

ماہ لقا چندا کا زیادہ تعلق تو مردوں سے رہا۔ وہ محفلوں کی عورت تھی لیکن اس کے باوجود چندا کے پورے دیوان میں کسی مرد کی تعریف میں اشعار نہیں ہیں۔ وہ حسین عورت تھی اس کے چاہنے والے بھی بہت تھے اور پھر اس ریاست کے معزز و امراء اس کے عاشق اور مداح تھے، ایسے میں اُس کے اندر خود پرستی کے جذبات کا پیدا ہونا فطری امر تھا اور ساتھ ہی احساسِ برتری بھی

Scanned by CamScanner

چندا کو دیکھنے کی جو خواہش کرے کوئی
رکھتا ہو وصف اپنے میں عز و جاہ کا (ص ۶۵)

اپنی شخصیت کی جاذبیت اور ذاتی حسن کا احساس اس میں ایسا غرور پیدا کرتا ہے کہ اس پر وہ نہ صرف ناز کرتی ہے بلکہ اسے ہمیشہ قائم ودائم بھی دیکھنا چاہتی ہے۔ حضرت علیؓ سے دعا کے علاوہ اس خواہش کا اظہار وہ اس طرح کرتی ہے

گرمی وہ ہوئے حسن میں چندا کے یا علیؓ
جلوے کو اس کے دیکھ کے بس لوٹ جائے برق (ص ۱۲۹)

چنداؔ کے بارے میں اختر حسین اختر کی رائے ہے کہ

''اس کے اشعار زیادہ تر اس کے ذاتی حالات وخیالات کے آئینہ دار ہیں اس کی غزلوں سے اس کے قلبی واردات اور ذہنی تاثرات کی نفاست اور علویت ظاہر ہوتی ہے اور وہ سراسر ایک عورت کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ اس عورت کا جو حسن و شباب کے نقشے میں چور اور اپنی فاتحانہ قوتوں پر مغرور ہے لیکن جس کا دل سچی اور دائمی محبت کا پیاسا ہے اور جس کی روح ایک ابدی اور لازوال سکوں کی متلاشی ہے جس کا اظہار وہ بار بار اپنے مقطعوں میں کرتی ہے۔ مبتذل جذبات اور عامیانہ خیالات سے اس کی شاعری کا دامن پاک ہے کہیں کہیں شوخی اور عریانی ہے تو برائے نام۔'' (۱۱)

لیکن مجھے اس رائے سے اختلاف ہے کہ چنداؔ نے اپنی شاعری میں ذاتی حالات بیان نہیں کیے، وہ ایک تخلیقی فن کار تھی مگر اس کی شاعری میں عورت ہونے کا احساس زیادہ نہیں اُبھرتا۔ اس عہد کی شعری روایت کے مطابق اس نے محبت کے جذبات کا اظہار بھی کیا۔ البتہ چنداؔ کے یہاں ایسے اشعار کی معنویت بڑھ جاتی ہے۔ عموماً اردو شاعری میں مرد کی محبوب عورت ہے۔ اس لیے اظہار عشق اور وصل کی لذت کو وہی بیان کرتا ہے لیکن عورت خود اس احساس کو کیسے بیان کرتی جب کہ وہ خود محبوب بھی ہو۔ چنداؔ نے عشق کی ان کیفیات سے زیادہ معاملات کو بیان کرنے میں جھجھک محسوس

Scanned by CamScanner

نہیں کی کہ یہ شعری و تہذیبی روایت کا حصہ تھے مگر چنداؔ کے ذریعے اظہار غیر رسمی محسوس ہوتا ہے کیونکہ عورت کی زبان سے ایسے اظہار کو معیوب خیال کیا جاتا تھا۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے

بوسہ بھی کوئی مانگے تو دے جان کی خیرات
خاطر کو نہ رنجیدہ کرائے ماہ کسی کی (ص ۱۴۸)

ہم جو شب کو ناگہاں اُس شوخ کے پالے پڑے
دل تو جاتا ہی رہا، اب جان کے لالے پڑے (ص ۱۵۰)

کب تک رہوں حجاب میں محروم وصل سے
جی میں ہے کیجئے پیار سے بوس و کنار خوب

شب کو بغل میں تنگ تھا وہ بے حجاب خوب
دیکھوں ہوں صبح آئینہ میں آب و تاب خوب (ص ۶۹)

کٹی ہے ہجر کی شب، اب ہے وصلِ یار کا دن
خدا نے ہم کو دکھایا ہے پھر بہار کا دن

اٹھا بغل سے تو اے ماہ رو مرے تب سے
نہ پوچھ کیونکر کٹا تیرے بے قرار کا دن

شب کو ہماری ان کی ملاقات ہو گئی
شکرِ خدا کہ ہم پہ عنایات ہو گئی

آتے ہی میں نے اس کے کیا نذرِ نقدِ دل
مہمان کی ہر طرح سے مدارات ہو گئی (ص ۱۵۱)

اس کی شاعری میں مستی ہے، شوخی ہے اور رنگینی بھی۔ یہ رنگ اس کی حقیقی زندگی کا حصہ ہیں۔ اس کے حسن اور اداؤں کے سینکڑوں مداح ہیں، وہ جانتی ہے اور اسی لذت میں سرشار بھی

شاہ و گدا تو دنگ ہوئے تیرے رقص پر
عاشق ہے نیم جان، نئی لے سے تان بھر (ص ۱۱۷)

کسریٰ سے لے کر آج تلک چشم دہر میں
دیکھا نہ تجھ سا اور کوئی اہلِ جاہ شوخ (ص ۱۱۰)

Scanned by CamScanner

اپنی سالگرہ کے موقع پر غزل میں خود سے اس طرح مخاطب ہے

ہو تری عمر خضر ماہ جمال
یوں ہی تری گرہ ہو سال بہ سال
رشتہ تار دمِ مسیحا ہو
ہو مبارک تجھے یہ فرخ فال
پنجتن تجھ پہ ہوں کرم گستر
اور اللہ کا رہے افضال
شش جہت میں ہے شہرۂ بخشش
کہاں حاتم میں ایسے تھے افعال

(ص۱۳۲)

اپنے حسن و جمال کے لیے خراج طلبی اور شہرت کی تمنا چنؔدا کے اندر بہت زیادہ تھی۔ اپنے عہد کی متمول عورت تھی، چاہنے والے بے شمار تھے اور وہ بھی اس کے عہد کی نامور شخصیات، اس کے باوجود خود کو مذہبی حوالے سے بھی نمایاں کرنے کے لیے کبھی اس نے عاشور خانہ تعمیر کروایا اور اپنے قائم کردہ عاشور خانے میں علم ایستادہ کرایا وہاں روزانہ مجالس برپا ہوتیں۔ حضرت علیؑ کے عرس کے موقع پر دو چار روز کھانا تقسیم کرواتی، فقرا میں رقم تقسیم کرتی۔ ماہ رجب میں وہ جشن حیدر مناتی ۱۱/ربیع الاوّل کو حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کی نیاز کا اہتمام کرتی۔ حیدرآباد دکن میں 'کھٹ درسن' کے نام سے زمانۂ قدیم سے ایک میلہ منعقد ہوا کرتا تھا۔ چنؔدا اس میں بھی بہت دلچسپی لیتی۔ شفقت رضوی لکھتے ہیں کہ

> ''میلے کے موقع پر فقراء، حفاظ، قراء اور مشائخ دور دور سے آتے چنؔدا کی ان میں سے ہر ایک فرد کے لیے نام بہ نام ایک سیر مٹھائی بھجوائی جاتی۔ میلے کے دوسرے دن تمام فقرائے آزاد، قادری و چشتی و رفاعی مدعو ہوتے اور ان کے لیے پُر تکلف ضیافت کا اہتمام ہوتا۔ اسی روز سو سو کوس کے فقیر جمع ہوتے تیسرے دن مساکین و معذورین جمع ہوتے جن کی تعداد ستر پچھتر ہزار ہوتی۔''(۱۲)

چنؔدا کو علم و ادب سے دلچسپی کے ساتھ ساتھ تعمیرات کا شوق بھی تھا لیکن ایسی تعمیرات کا تعلق اس کے مذہبی عقیدے یا جذباتی لگاؤ سے تھا۔ اس نے کوہِ مولا علیؑ کے دامن میں اپنی والدہ کا

مقبرہ تعمیر کروایا جہاں ہر سال باقاعدہ عرس منایا جاتا، وہ خود اس میں شرکت کرتی۔ جامعہ عثمانیہ کی زمین بھی چنداؔ کی ملکیت تھی جو مقطعہ اڈی کمیٹ کہلاتا تھا۔ ایک مسجد خوشحال خاں کلاونت کے نام سے ''خوشحال خاں کی مسجد'' بنوائی جو اپنی عمر کے آخری حصے میں اس کے پاس رہے۔ وہ چنداؔ کی موسیقی کی محفلوں میں شرکت کرتے تھے اور کبھی کبھی فن کے بارے میں مشورہ بھی دیتے۔ اس کے بدلے چنداؔ ان کے تمام اخراجات کی کفیل رہی۔ اس نے اپنی زندگی میں ہی اپنا عالی شان مقبرہ تعمیر کروایا۔

''زمانۂ حیات میں اس نے اپنے لیے ایک عالی شان مقبرہ مع مسجد و دیگر عمارات کوہِ مولا علیؓ کے دامن میں دو لاکھ روپے کے صرفے سے اپنی نگرانی میں تعمیر کروایا تھا، جو اس کی ماں کے مقبرے سے متصل ہے۔ بارگاہِ مولا علیؓ کا پختہ دالان، اس کے راستے میں حوض موسومہ 'فی سبیل اللہ' بھی اس کی یادگار ہے۔'' (۱۳)

۱۲۴۰ھ☆ میں ماہ لقا نے وفات پائی۔ اس کے مقبرہ پر یہ شعر درج ہے:

ہاتف غیبی ندا داد بتاریخ
راہیِ جنّت شد ماہ لقائے دکن

۱۲۴۰ھ (۱۴)

☆ ماہ لقا کا سنہ وفات ۱۲۳۶ھ بھی لکھا گیا ہے لیکن تحقیق کے مطابق اس کا سنہ وفات ۱۲۴۰ھ بنتا ہے جو کہ اس کے مقبرہ پر بھی درج ہے، ملاحظہ فرمایئے:

(i) 'حیاتِ ماہ لقا' از غلام صمدانی خاں گوہر، ص ۲۹

(ii) 'دکن میں اُردو' از نصیر الدین ہاشمی، ص ۴۷۹

حوالہ جات

شاہنواز خان، ''مآثر الامراء''، اردو ترجمہ از ڈاکٹر ایوب قادری، ص ۴۵۶۔

۱۔ غلام صمدانی خاں گوہر، ''حیاتِ ماہ لقا''، دارالشفا، حیدرآباد دکن، ۱۹۰۶ء، ص ۲۰۔

۲۔ i۔ نصیرالدین ہاشمی، ''خواتین دکن کی اُردو خدمات''، مکتبہ ابراہیمیہ، ۱۹۴۰ء، ص ۲۳۔

۳۔ ii۔ نصیرالدین ہاشمی، ''دکن میں اُردو''، ۱۹۸۵ء، ص ۴۷۸۔

iii۔ محی الدین قادری زور، ڈاکٹر، ''داستانِ ادب حیدرآباد''، ادارہ ادبیاتِ اُردو، حیدرآباد، ۱۹۵۱ء، ص ۹۵۔

۴۔ بحوالہ 'حیات ماہ لقا'، ص ۲۱۔

۵۔ ''اختر حسین اختر۔ ماہ لقا بائی چندا'' مشمولہ مرقع سخن، ص ۸۶، جلد اوّل (مرتبہ) ڈاکٹر محی الدین قادری زور، حیدرآباد، ۱۹۳۵ء

۶۔ محی الدین قادری زور، ڈاکٹر، ''داستانِ ادب حیدرآباد''، ص ۹۴۔

۷۔ شفقت رضوی (مرتبہ)، ''دیوان ماہ لقا بائی چندا''، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۴۵-۴۴۔

۸۔ محی الدین قادری زور، ڈاکٹر، ''تذکرہ مخطوطات''، جلد سوم، ص ۱۱۸، دہلی، ۱۹۸۴ء۔

۹۔ ایضاً،۔۔ غلام حسین خاں بیدر کے رہنے والے تھے، دکنی ادب کے مورخ اور آصفی خاندان کے موروثی منصب دار تھے۔ ۱۱۹۰ھ میں غلام سیّد خاں ارسطو جاہ کے میر منشی مقرر ہوئے مختلف جنگی مہمات میں ان کے ساتھ رہے اس دوران چندا سے بھی تعارف ہوا۔ پھر کچھ عرصہ گوشہ نشینی اختیار کی اور اسی دوران فارسی شاعری کرتے رہے۔ حیدرآباد میں مہاراجہ چندلعل کے دربار میں مرزا بیدل کے رنگ میں ایک اردو قصیدہ اور مخمس پیش کرنے پر درباری شعرا میں شامل ہو گئے۔ ۱۲۲۵ھ میں ان کی ملاقات چندا سے دوبارہ ہوئی تو جوہر کی چندا کے محل تک رسائی ہوئی کچھ عرصہ بعد دوبارہ بیدر لوٹ گئے اور پھر ۱۲۲۸ھ میں چندولعل کے بیٹے کی شادی پر آئے تو ایک تہنیت نامہ پیش کرنے کے علاوہ اپنی تصنیف تحفۃ الہند راجہ کو پیش کی جس میں ہندوستان اور دکن کے

Scanned by CamScanner

بادشاہوں اور راجاؤں کے احوال درج ہیں۔ ماہ لقا چندا نے محل میں دوبارہ جانا شروع کیا تو چندا کی فرمائش پر جو ہرنے یہ تالیف مکمل کی اصل نسخے میں تصاویر بھی تھیں مگر اس کاب کے تین دستیاب نسخوں میں سے کسی میں بھی تصاویر نہیں ہیں ان تین مخطوطات میں ادارۂ ادبیات اردو میں وہ ماہ نامہ برٹش میوزیم میں تاریخ دل افروز اور ذخیرۂ عبدالحق میں 'تجلیات ماہ لقا' کے نام سے موسوم ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے دیوان مہ لقابائی چندا از شفقت رضوی، ص۳۰-۲۹)

۱۰- قاسم، قدرت اللہ۔ ''مجموعہ نغز'' (مرتبہ) حافظ محمود شیرانی، نیشنل اکادمی دریا گنج، دہلی ۱۹۷۳ء، ص۱۷۱

۱۱- 'ماہ لقابائی چندا کی شاعری' ص۱۶۴

۱۲- 'دیوان ماہ لقابائی چندا' ص۳۴

۱۳- 'دیوان ماہ لقابائی چندا' از شفقت رضوی، ص۳۳

۱۴- ایضاً، ص۳۹

Scanned by CamScanner